مشکلات القرآن

❖ **تصنیف** : امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ
ترجمہ : محترم مولانا محمد مزمل بدایونی / استاذ دار العلوم دیوبند

قرآن کریم کے ہر پہلو اور ہر گوشے پر ماشاء اللہ خوب کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے، البتہ مشکلاتِ قرآنی ایک ایسا موضوع ہے، جس پر عربی میں بھی کام کی مقدار بہت کم ہے اور اردو میں تو تقریباً ناپید ہے۔ امام العصر حضرت علامہ سید محمد شاہ کشمیری علیہ الرحمہ نے عدیم الفرصتی کے باوصف اب سے کئی سال پیش تر ایک وقیع کتاب بنام ''مشکلات القرآن'' تصنیف فرمائی تھی، جو اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہے، لیکن اختصار اور عربی میں ہونے کے باعث اس سے کماحقہٗ استفادہ نہیں کیا جاسکا، ضرورت تھی کہ اس کا اردو ترجمہ ہو اور قدرے تسہیل بھی، خدا کا فضل ہے کہ دار العلوم دیوبند کے مقبول اور نمایاں استاذ فاضل گرامی مولانا محمد مزمل صاحب بدایونی زیدمجدہٗ نے یہ کام شروع کر دیا ہے، جس کی پہلی قسط ہدیۂ قارئین ہے، کام خاصا دقیق ہے اور طویل بھی، دعا فرمائیں کہ یہ سلسلہ بعافیت پایۂ تکمیل کو پہنچے اور اہل علم کے لئے سرمۂ بصیرت ثابت ہو۔

واضح رہے کہ ترجمے کے وقت کتاب ''مشکلات القرآن'' کی عبارات کو حوض (بوکس) میں کر دیا گیا ہے اور اس کے حوالہ جات کو حسبِ سابق حاشیے میں، علاوہ ازیں جابجا مترجم موصوف نے بھی اپنے بیش قیمت حواشی تحریر فرمائے ہیں، جس سے بلاشبہ کتاب کی افادیت دوچند ہوگئی ہے۔ **فجزاه الله احسن الجزاء**. (ادارہ)

زیرِ نظر کتاب مخدوم ومربی محدّثِ وقت امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے گراں قدر مسودات کا مجموعہ ہے، جو احقر نے ترتیب دیا ہے اور حتی الوسع کتابوں کے حوالے بھی جمع کر دیئے ہیں۔ مسودات کی ترتیب وتہذیب اور حوالہ جات کی تخریج وتحقیق میں احقر کا جو طریقۂ کار رہا ہے اس کی تفصیل کتاب کے مقدمے میں موجود ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت کی عبارتیں بغیر کسی ادنیٰ تغیر وتبدیلی کے متن میں دی گئی ہیں اور حوالہ جات کی عبارتیں حاشیے میں۔ بلاشبہ اللہ ہی توفیق دینے والا اور آسانی پیدا کرنے والا ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔

احقر محمد احمد رضا بجنوری عفا اللہ عنہ
ناظم مجلس علمی، ڈابھیل

حضرت امامؒ نے فرمایا:

۱-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''**صراط الذین انعمت علیهم**''، ''**فبهداهم اقتده**'' (والی آیت پیش نظر رکھ کر سمجھیں) (الیواقیت)

۱-اگر آپ یہ معلوم کریں کہ آپ ﷺ سابق انبیاء کرام کے محمود تھے، اس پر قرآن کریم سے کیا دلیل ہے۔تو میں عرض کروں گا کہ اس کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ ''**اولئك الذین هَدی اللّٰه فبهداهم اقتده**'' ہے (یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سوتو چل ان کے طریقے پر) یعنی ان کا طریقہ (دراصل) آپ کا ہی وہ طریقہ ہے جو باطنی طور پر آپ سے ان کی جانب سرایت کیا ہوا ہے۔اس لئے جب آپ ان کے طریقے کو اختیار کریں گے (تو کوئی آپ کی شان میں نقص کی چیز نہیں؛ کیوں کہ) یہ ان کا آپ کے ہی طریق کو اختیار کرنا ہے، اس لئے کہ باطنی طور پر آپ کو اولیت اور ظاہراً آپ کو اخرویت حاصل ہے اور اگر ''ہداہم'' سے مراد اس کے علاوہ کچھ اور ہوتا جو ہم نے لکھا ہے تو اللہ تعالیٰ ''**فبهم اقتده**'' فرماتے اور حدیث شریف: **كنت نبيا و آدم علیه السلام بین الماء و الطین** (میں نبی اسی وقت ہو چکا تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور گارے کے درمیان ہی تھے) پہلے آچکی ہے۔لہٰذا ہر وہ نبی جو آپ کے وقتِ ظہور سے پہلے آیا ہے وہ اس شریعت کے لانے میں آپ کا ہی نائب ہے اور اس کی تائید حضور ﷺ کی ایک حدیث میں اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میری دونوں چھاتیوں کے درمیان رکھا، یعنی جیسا کہ جناب باری تعالیٰ کے شایانِ شان تھا۔تو مجھے اولین وآخرین کا علم حاصل ہو گیا کیوں کہ اولین سے مراد وہی انبیاء کرام ہیں جو آپ کے جسد شریف کے پس پردہ ہونے کے وقت ظہور میں آپ سے پہلے ہیں۔(الیواقیت ۲/۱۸)

۲-**قولہ تعالیٰ** ''**هدی للمتقین**'' اس آیت کے ذیل میں تقویٰ کے وہ مراتب (ملحوظ رہیں) جو ایمان سے موخر ہیں، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے بعد۔

۲-چناں چہ تقویٰ کے دیگر مراتب ایمان سے مؤخر ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ ''تقویٰ'' عرف شرع میں مختلف معنی میں آتا ہے، کبھی ایمان کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ آیت ''**و ألزمهم كلمة التقوی**'' میں (اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا) اور کبھی توبہ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ ''**ولو أن اهل القریٰ آمنوا و اتقوا**'' میں (اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے) کبھی طاعت کے معنی میں جیسا کہ آیت کریمہ ''**أن أنذروا أنهٗ لا الٰه الا أنا فاتقون**'' میں (یہ کہ خبردار کرو کہ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو مجھ سے ڈرتے رہو)، کبھی ترک گناہ کے معنی میں جیسا کہ ''**وأتوا البیوت من أبوابها و اتقوا اللّٰه**'' والی آیت میں (اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو) اور کبھی اخلاص کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ ''**فإنها من تقوی القلوب**'' میں (تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے)

۳-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''أو کصیّب من السماء'' (اس آیت میں ''من السماء'' کا لفظ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ''صیّب'' اپنے معنی حقیقی بارش کے معنی میں لیا جائے اور کوئی اس لفظ کو معنی مجازی (نفع کثیر) پر محمول نہ کرلے) جیسا کہ ''و اذا استیقظ احدکم من منامه'' میں محدثین نے فرمایا ہے کہ ''من منامه'' کا لفظ زائد لانے کا مقصد اس وہم کو دور کرنا ہے کہ کوئی ''استیقاظ'' کو (خواب طبعی نیند کے بجائے) خواب غفلت سے بیدار ہونے پر محمول نہ کرلے (یہ تاویل) شریک بن ابی نمر کی حدیث میں بھی کام آئے گی اور اسی طرح آیت کریمہ ''من کان عدواً لجبریل فإنه نزلهٔ علیٰ قلبك بإذن اللّٰه'' (جو شخص بھی جبرئیل سے عداوت رکھے سو انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے) میں (یہ تاویل کام آئے گی کہ ''باذن اللہ'' کا اضافہ اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ یہ قرآن کریم خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کلام نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے وہ تو سفیر محض ہیں) یہ آیت آں حضرت ﷺ کی نیند کی کیفیت (وغیرہ) کے سلسلے میں عبداللہ بن صوریا کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔

۳-اس آیت کا شانِ نزول تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم اور دیگر کتب حدیث مثلاً بیہقی، طبرانی، مسند امام احمد اور مسند عبد بن حمید میں اس طرح مروی ہے کہ جب آں حضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کی ایک بڑی جماعت تفتیش حال کے لئے ان کے پاس آئی، ان کا سردار عبداللہ بن صوریا جو کہ علمائے فدک میں سے تھا، امتحان کے طور پر سوال کرنے لگا کہ پہلے ہم کو اپنے سونے کی کیفیت کے بارے میں بتائیں کیوں کہ پیغمبر آخر الزماں کے سونے کی کیفیت کے بارے میں ہماری کتابوں میں ایک علامت آئی ہے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ علامت آپ کے اندر موجود ہے یا نہیں؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا اور غافل نہیں ہوتا۔ اگر یہی علامت ہے تو میرے اندر موجود ہے۔ عبداللہ بن صوریا نے کہا آپ نے صحیح فرمایا، یہی علامت ہے۔ اب ہم آپ سے چند چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ ان چیزوں کو پیغمبروں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا: کہ جو چاہو پوچھو لیکن میں تم سے خدا کی قسم لیتا ہوں اور وہ عہد لیتا ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے لیا تھا، وہ یہ کہ اگر میں تمہیں ان چیزوں کے بارے میں بتادوں تو تم ایمان لے آؤ گے اور میری اطاعت کرلو گے؟ سب نے کہا کہ قبول ہے الخ۔ (فتح العزیز، ص: ۳۴۹) (انہیں سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ کے پاس یہ کلام (قرآن کریم) کون لاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جبرئیل علیہ السلام! اس پر ان یہود نے کہا کہ وہ تو ہم سے پرانی دشمنی رکھتے ہیں، ہمارے ساتھ جو بڑے حادثات ہوئے ہیں وہ انہیں کے ہاتھوں انجام پائے ہیں۔ ہاں حضرت میکائیل علیہ السلام اچھے ہیں، وہ بارش اور خوش حالی کا نظم کرتے ہیں، اگر وہ لاتے تو ہم قبول کرلیتے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ محمد مزمل

۴-ارشاد باری تعالیٰ "قالوا ھٰذا الذی رزقنا من قبل" (ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر) اس لئے کہ جزا درحقیقت دوسرے لباس میں مجزی علیہ کا ظہور ہے۔

۴-حضرت کشمیری علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ میں بس اتنا ہی اشارہ کیا ہے جس کا ترجمہ اوپر کیا گیا، لیکن یہ حضرت کی انتہائی مختصر عبارت کچھ وضاحت کی متقاضی ہے۔ حضرت الامام نے فارسی کا یہ جملہ جس کا ترجمہ کیا گیا تفسیر فتح العزیز سے لیا ہے۔ راقم نے تفسیر فتح العزیز کی مکمل عبارت سے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ اہل جنت یہ جو کہیں گے کہ "یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر" تو اس میں پیشتر سے مراد پھل نہیں ہیں بلکہ وہ طاعات و عبادات ہیں جو وہ دنیا میں انجام دیتے تھے اور ان میں وہ عجیب وغریب لذت محسوس کرتے تھے، جو ہر کس و ناکس کو نہیں بلکہ اہل دل اور خواص ہی کو محسوس ہوتی ہے، پھر جب ان کو ان عبادات کی جزا جنت میں دی جائے گی تو چوں کہ جزا درحقیقت مجزی علیہ کا ہی دوسرے لباس میں ظہور ہوتا ہے تو اس جزا میں بھی مجزی علیہ (طاعات) جیسی ہی لذت محسوس کریں گے اور پھر وہ بات کہیں گے جو آیت میں مذکور ہے۔ آیت کریمہ کا یہی محمل حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے بھی مسائل السلوک میں بیان کیا ہے۔ محمد مزمل

۵-اللہ تعالیٰ کا ارشاد "الذین ینقضون عھد اللّٰہ من بعد میثاقہ" (جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدے کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد) ابتداء سورت سے انتہائی لطیف اور مختصر پیرائے میں اس حقیقتِ ایمان کا بیان تھا اور اس آیت کے ذیل میں اس بات کا بیان ہے کہ اسلام، خدا کے ساتھ معاہدہ ہونے کا نام ہے۔

۵-الف: ایمان شرعی اصطلاح میں تصدیق کا نام ہے، یعنی ان تمام چیزوں کو مان لینا اور یقین کر لینا جن کا دین محمد (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں سے ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے اس لئے کہ ایمان کو قرآن کریم میں جگہ جگہ دل کا عمل فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں "وقلبہٗ مطمئن بالایمان" (بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ نحل:۱۰۶) دوسری جگہ فرماتے ہیں "کتب فی قلوبھم الایمان" (ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔ مجادلہ:۲۲) ایک اور جگہ پر ہے "ولما یدخل الایمان فی قلوبکم" (اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ الحجرات:۱۴) اور ظاہر ہے دل کا عمل یہی تصدیق ہے اور کچھ نہیں۔ نیز ایمان کو عمل صالح کے ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ "إن الذین آمنوا و عملوا الصّٰلحٰت" میں (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ البروج:۱۱) اور معاصی کے ساتھ بھی (ایمان کو) بیان کیا گیا ہے جیسا کہ "و ان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا" والی آیت میں (اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔ الحجرات:۹) اور آیت کریمہ "والذین آمنوا ولم یھاجروا" میں بھی (اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی۔ الانفال:۷۲) اس سے معلوم ہوا کہ نہ نیک اعمال کا ایمان میں دخل

ہے اور نہ اعمال بد ایمان کو خراب کرتے ہیں اور بے تصدیق کے صرف اقرار ہو تو اس کی اسی سورہ (بقرہ) میں آیت کریمہ ''و من الناس من یقول آمنا باللّٰہ وبالیوم الآخر وماھم بمؤمنین'' میں مذمت کی گئی ہے (اور لوگوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالاں کہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔ البقرۃ:۸) لہٰذا معلوم ہوا کہ اقرار محض، ایمان کی حکایت ہے۔ اگر وہ حکایت محکی عنہ کے مطابق ہے تو بہت خوب! ورنہ دھوکے اور جھوٹ کے سوا کچھ نہیں! اور محکی عنہ وہی تصدیق قلبی ہے۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز کے تین قسم کے وجود ہوتے ہیں: وجودِ عینی، وجودِ ذہنی اور وجودِ لفظی، اسی طرح ایمان بھی ان تین وجود کے ساتھ متحقق ہے اور یہ قاعدہ ثابت شدہ ہے کہ ہر چیز کا وجود عینی اصل ہوتا ہے اور باقی دونوں وجود اس وجود کی فرع اور تابع ہوتے ہیں، پھر ایمان کا وجود عینی وہ نور ہے جو بندے اور ذات حق (جل مجدہ) کے درمیان پردہ اٹھ جانے سے دل میں حاصل ہوتا ہے اور یہی نور ہے جو آیت کریمہ ''مثل نورہٖ کمشکوۃ فیھا مصباح'' میں مکمل واضح تمثیل میں ذکر کیا گیا ہے (اس کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔ النور:۳۵) اور آیت کریمہ ''اللّٰہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور'' میں اس کا سبب بیان کیا گیا ہے (اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے۔ البقرہ:۲۵۷) اور یہ نور محسوس انوار کی طرح قوت وضعف اور شدت ونقص کو قبول کرتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ ''و إذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا'' میں مذکور ہے (اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ تازہ کر دیتی ہیں۔ الانفال:۲) اور اسی مضمون کی دوسری بہت سی آیتیں ذکر کی گئی ہیں۔

ایمان کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جس قدر وہ حجاب اٹھے گا اسی قدر وہ نور زیادتی قبول کرے گا اور ایمان قوی ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے اوجِ کمال کو پہنچ جائے گا اور وہ نور وسیع اور کشادہ ہو کر تمام اعضاء وقوی کا احاطہ کر لیتا ہے تو سب سے پہلے شرح صدر حاصل ہوتا ہے، حقائق اشیاء سے واقف ہو جاتا ہے، غیوب (بعض پوشیدہ امور) اس کی قوت مدرکہ پر واشگاف ہو جاتے ہیں، ہر چیز کو اس کے مقام کے مطابق پہچانتا ہے اور انبیاء کرام نے جو بھی اجمالی وتفصیلی خبریں دی ہیں ان میں انبیاء کا صدق اس کے لئے ایک وجدانی چیز بن جاتا ہے، پھر اپنے نور اور شرح صدر کے بقدر اس کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر امر خداوندی کو اس کی مرضی کے مطابق بجالائے اور ہر ممنوع شرعی سے اجتناب کرے اور اس حالت میں اخلاق فاضلہ، کیفیاتِ حمیدہ اور اعمالِ صالحہ متبرکہ کے انوار، انوارِ معرفت کے ساتھ مل کر اور متحد ہو کر ایک عجیب سا چراغ بن کر حیوانی اور شہوت پسند طبیعت کے تاریک چمن کو روشن کر دیتے ہیں جیسا کہ اس مضمون کی جانب بہت سی آیاتِ قرآنیہ میں اشارہ ہوا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: ''نورھم یسعٰی بین أیدیھم و بأیمانھم'' (ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے داہنے دوڑتا ہوگا: التحریم:۸)

اور ایک جگہ فرمایا گیا ہے: "**نور علیٰ نور یھد اللّٰہ لنورہٖ من یشاء**" (نور علیٰ نور ہے اللہ تعالیٰ نور تک جس کو چاہتا ہے، راہ دیدیتا ہے۔ النور: ۳۵)

اور ایمان کے وجود ذہنی کے دو مرتبے ہیں: پہلا مرتبہ ان روشن معارف اور منکشف ہونے والے غیوب کا مکمل طور پر بیک مرتبہ اجمالاً ملاحظہ کرنا جو کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا حاصل ہیں اور اس ملاحظہ کا نام تصدیق اجمالی، ماننا اور باور کرنا ہے۔ دوسرا مرتبہ تجلی پذیر مغیبات اور منکشف ہونے والی حقیقتوں کے افراد میں سے ہر ہر فرد کا ان کے باہمی ربط کا لحاظ کرتے ہوئے تفصیلی طور پر ملاحظہ کرنا اور اس ملاحظے کا نام (علماء کرام) تصدیق تفصیلی رکھتے ہیں۔

اور ایمان کا وجود لفظی شارع کی اصطلاح میں صرف شہادتین کا نام ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ کسی چیز کا وجود لفظی اس چیز کی حقیقت متحقق ہوئے بغیر بالکل فائدہ نہیں دیتا، ورنہ تو پیاسا پانی کا نام لینے سے ہی سیراب ہوجاتا اور بھوکا روٹی کا نام لیتے ہی تسلی حاصل کرلیتا، لیکن بات یہ ہے کہ عالم بشریت میں مافی الضمیر کی ادائیگی نطق وتلفظ کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، اس لئے لابدی طور پر کسی بھی شخص کے ایمان کا حکم لگانے میں کلمہ شہادت کے تلفظ کو بہت بڑا دخل ہے۔ فرماتے ہے: "**امرت أن اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فإذا قالوھا عصموا منی دمائھم و اموالھم إلا بحقھا و حسابھم علی اللّٰہ**" (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں اور جب وہ یہ کہہ دیں تو انہوں نے میری جانب سے اپنے خون اور مال محفوظ کرلئے، سوائے ان (خون و مال) کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے) اور اس تحقیق سے ایمان کی کمی و زیادتی اور اس کے قوت وضعف کی کیفیت بھی معلوم ہوگئی اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہ جو حدیث صحیح میں آیا ہے کہ "زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو مومن ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا" اور "حیا ایمان کا شعبہ ہے" اور "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہوجائے" سب ایمان کے وجود عینی کے اعتبار سے کمالِ ایمان پر محمول ہیں اور جن حضرات نے ایمان کی کمی، زیادتی کی نفی کی ہے ان کی مراد وجود ذہنی کا مرتبہ اول (ملاحظہ اجمالی) ہے، اس لئے کوئی نزاع واختلاف نہیں ہے۔

پھر ایمان کی دو قسمیں ہیں: اول ایمان تقلیدی، دوم ایمان تحقیقی۔ پھر ایمان تحقیقی کی دو قسمیں ہیں: استدلالی اور کشفی۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک یا تو اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا کہ اس سے آگے تجاوز نہ ہوسکے یا انتہائی کمال کو نہیں پہنچے گا اور جو اپنی انتہاء کو پہنچ جائے گا اس کو علم الیقین کہیں گے اور جو انتہاء کو نہیں پہنچتا اس کی بھی دو قسمیں ہیں: یا تو مشاہدے سے ہوگا جو عین الیقین کا مصداق ہے یا حضور ذاتی ہوگا جو حق الیقین کا مصداق ہے اور یہ اخیر کی دو قسمیں یعنی عین الیقین اور حق الیقین ایمان بالغیب سے متعلق نہیں ہوتی ہیں۔ (فتح العزیز: ۸۷-۸۸)

۵-ب: "**الذین ینقضون عھد اللّٰہ من بعد میثاقہ**" (جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدے کو جو اللہ تعالیٰ سے کرچکے تھے اس کے استحکام کے بعد۔ البقرہ: ۲۷) اس جگہ یہ جاننا چاہئے کہ جب ایک شخص کلمہ اسلام

زبان پر لے آیا، پیغمبر یا اس کے کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، رسول کو قاصد اور نائب خدا تصور کر لیا تو خدا کے ساتھ عہد ہو گیا کہ اس کا جو بھی حکم اس پیغمبر کے واسطے سے اس تک پہنچے گا وہ اس کو قبول کرے گا اور جب رسول کی صحبت سے شرف یاب ہو گیا یا نبی کی سیرت و عادات پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کر لیا اور نبی کے اس اخلاق و کردار سے واقف ہو گیا جو سراپا ان کی حقانیت کی دلیل ہیں یا نبی کے معجزات اور اولیاء امت کی کرامات کا مشاہدہ کر لیا یا سن لیا تو اس نے اس عہد کو پختہ کر لیا، اب اس حالت کے بعد معاذ اللہ اگر اسلام کے معاملے میں اس کے دل میں کوئی شبہ جگہ پکڑ گیا اور اس شبہ کی وجہ سے وہ شرعی احکام میں طعن و تشنیع کرنے لگا تو یقینی بات ہے کہ وہ حد عقل و شرع سے خارج ہو گیا اور گمراہی کے اعلیٰ مرتبہ پر ترقی کر گیا، جو اسلام میں داخل ہونے، رسول اور اس کے معجزات کو دیکھنے یا رسول کے اخلاق و کردار کو سننے سے پہلے اس کو حاصل نہ تھا، لہٰذا یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ یہ شخص سرکش، کفر کی ادنیٰ حد سے خارج اور کفر کے اعلیٰ مقام پر پہنچا ہوا ہے۔ (فتح العزیز: ۱۴۳)

✦……❖……✦